www.emarsiya.com

قرآن اور اہلبیت

مالک وہ فکر دے کہ میں حمد و ثنا لکھوں
قادر لکھوں کریم لکھوں کبریا لکھوں
پڑھ کر درود نعتِ شہِ انبیا لکھوں
طٰہٰ لکھوں رؤف لکھوں والضحیٰ لکھوں
ڈھالوں وہ حرف آج سخن کے لباس میں
جلنے لگیں چراغ دیارِ حواس میں

www.emarsiya.com

قرآں کا حرف حرف بیاضِ شعور ہے
وحیِ خدا ہے مرجعِ آیاتِ نور ہے
اِس میں نہاں قرارِ دلِ ناصبور ہے
اس کا نزول مژدۂ قرب و حضور ہے

یہ مطلعِ کمال ہے لوحِ حیات پر
چلتا ہے اِس کا حکم دلِ کائنات پر

قرآن ایک ضابطۂ خیرِ کائنات
روشن ہے اس کے نور سے ہر جادۂ حیات
اِس میں نہاں ہیں لوح و قلم کی تجلیات
ذہنِ بشر پہ کھولی ہیں اس نے نئی جہات

ہر علم کاسہ لیس ہے اِس کی جناب میں
حرفِ اخیر ہے یہ رسالت کے باب میں

صحرائے زندگی میں مشیت کا یہ شجر
جس کی تجلیوں سے دمک اٹھے دشت و در
اونچا ہے اس کی چھاؤں میں حرف و بیاں کا سر
اسلام اس کا سایہ ہے ایمان ہے ثمر

جب اس کلام پاک کی تنزیل ہو گئی
انسانیت کے باب کی تکمیل ہو گئی

قرآن، علم، فکر، یقیں، آگہی، خیال
قرآن، حُسن، نور، ضیا، روشنی، جمال
قرآن، حرف، نطق، سخن، معجزہ، کمال
قرآن، لطفِ خاصِ خدا وندِ ذوالجلال

جانِ علی یہی، یہی روحِ بتول ہے
قرآن کا شعور، شعورِ رسُول ہے

کونین کے ضمیر کو اس سے جلا ملی
سچائی کو لباس، یقین کو قبا ملی
اور اک کو زبان، زباں کو نوا ملی
مرہم جراحتوں کو دکھوں کو دوا ملی

قرآں ملا تو زیست کو آئین مل گیا
انسانیت کو خلعتِ یٰسین مل گیا

قرآن اعتبارِ محمدؐ کا نام ہے
یہ اعتبار دِل کی اساسِ تمام ہے
قائم اِسی اساس پہ حق کا نظام ہے
جس کو نبی کہیں وہ خدا کا کلام ہے

اکمل بشر کو جلوۂ کامل دیا گیا
انسانیت کو نور میں شامل کیا گیا

بدلی ہے فلسفوں نے زباں موسموں کے ساتھ
نقطے کبھی جدا ہیں کبھی دائروں کے ساتھ
گم گشتگی بھی چلتی رہی راستوں کے ساتھ
کھیلے ہیں کھیل عقل نے کیا کیا دلوں کے ساتھ

جب تک حیات عالمِ تکوین میں رہی
قدرت نصابِ نور کی تزئین میں رہی

گہوارے میں تھی عقل تو انعام اور تھے
جب گھٹنیوں چلی ہے تو اقدام اور تھے
جب سن ذرا بڑھا ہے تو احکام اور تھے
نامِ خدا شباب میں پیغام اور تھے

معیارِ عقل دیکھ کے تعلیم دی گئی
آخر میں کُلِ نور کی تجسیم کی گئی

توریت اور زبور بھی خالق کا ہے کلام
انجیل نے بھی وحیٔ خدا کا کیا ہے کام
لازم ہے ذہن و عقل پہ ان کا بھی احترام
سب سے مگر بلند ہے قرآں کا مقام

ناسخ یہی کلام بحکمِ خدا ہوا
نورِ قدم کو جسمِ مؤخر عطا ہوا

رودِ علوم نقطۂ "با" میں سمیٹ کر
تہذیبِ عقل لفظِ ولا میں سمیٹ کر
اثبات کو الٰہ کے لا میں سمیٹ کر
اسرارِ عرش اپنی نوا میں سمیٹ کر
قسمانؔ کا نام بخش دیا اپنے نور کو
پھیلا دیا ازل سے ابد تک شعور کو
سَر خم تھے سب کے آئینہ کو ثر کے سامنے
ساکت تھے لب، بلاغتِ وتہر کے سامنے
حالت بتر تھی معنیٔ ابتر کے سامنے
قطرے لرز رہے تھے سمندر کے سامنے
کُفار کے طلسم فضا میں بکھر گئے
الفاظ گنگ ہو گئے چہرے اتر گئے
زنجیرِ انقلاب میں ہر شے اسیر ہے
ہر آن، ہر زبان تغیر پذیر ہے
ہر وقت ہر سُخن میں نئی دار و گیر ہے
ہر لفظ اپنے عہد کا گویا سفیر ہے
ذہنوں کے خواب لفظوں کے سوتج نگل گئے
حسبِ مزاجِ وقت تلفظ بدل گئے

قرآن کی زبان مگر اب بھی ہے سند
اب بھی وہی ہیں اس میں فصاحت کے جزر و مد
اب بھی یہی ہے سِرِّ ازل معنئ ابد
اس نے ہر ایک دعوئ باطل کیا ہے رد
قرطاسِ جاں پہ آیۂ تقدیر ہے یہی
انسانیت کے خواب کی تعبیر ہے یہی
کیا ضبط کے رموز ہیں تلوار کب اٹھے
کیا اہلِ حق کا فرض ہے جب حق ہدف بنے ٦
کس لمحہ کس محاذ پہ انسان جان دے
واضح ہیں ہر مقام پہ قرآں کے فیصلے
ہجرت سے تا بہ کرب و بلا رہنما ہے یہ
کل مصطفیٰ تھا آج دلِ مصطفیٰ ہے یہ
دُنیا پہ میرے رب نے یہ مصحف اتار کر
انسانیت کو کر دیا ممتاز و مفتخر
اُس پر مزید یہ کہ محمد ہوئے بشر
ایسے بشر کہ نور کا محور ہے جن کا گھر
ظاہر ہے اس کتاب کے بین السطور سے
آلِ نبی جدا نہیں خالق کے نور سے

خالق نے حفظِ حق کے کیئے انتظام دو
اِک مالکِ سخن کے ہیں طرزِ کلام دو
صہبائے نور ایک سرور ایک جام دو
قرآن و اہلِ بیت اگرچہ ہیں نام دو
لیکن مراد ایک ہے مقصود ایک ہے
ظاہر میں دو وجود ہیں موجود ایک ہے
قرآں حق کا نور، نبی کی ضیا علی
محبوبِ حق رسول ہیں اور حق نما علی
خوشبو ہیں گر رسول تو موجِ صبا علی
الحمد دل اُلا ہیں نبی اِنّما علی
عِلم رسولِ پاک انہیں پر تمام ہے
حسنین انہیں کے عزم کی قوت کا نام ہے
ہر دور میں یہ دینِ مبیں کے لئے سپر
جاگیں تو محترم ہیں جو سوئیں تو معتبر
عباس میں یہی، یہی زینب میں جلوہ گر
جاری ہے اب بھی حیدرِ کرار کا سفر
جب تک رہے گی نہج بلاغہ نگاہ میں
انسانیت رہے گی علی کی پناہ میں

مخدومۂ زمن کا اب آتا ہے لب پہ نام
خم ہو جبینِ فکر ادب سے ہو اب کلام
حرف و بیاں کو چاہیئے سجدوں کا اہتمام
قلب و نظر پہ فرض ہے زہرا کا احترام

جس کو نبی کا نور کہیں یہ وہ ذات ہے
بنتِ رسول خود بھی محمد صفات ہے

زھرا کا ذکر، ذکرِ رسولِ انام ہے
روحِ سخن یہی، یہی جانِ کلام ہے
فقر و غنا کا ان کے سبب احترام ہے
عصمت تو صرف چادرِ زہرا کا نام ہے

جو ان سے پھر گیا شہہ دیں کا نہیں رہا
اس در سے ہٹ کے کوئی کہیں کا نہیں رہا

وہ فاطمہ وہ آیۂ تطہیر کا ظہور
وہ ورثہ دارِ رحمت کونین، موجِ نور
جس کا عمل ہے سجدہ گہہِ دانش و شعور
ہے جس کا گھر جمالِ امامت سے رشکِ طور

مہتاب جس کے عکس کا پرتو ہے آج بھی
خورشید اسی چراغ کی اک لو ہے آج بھی

کیجے حسن کا ذکر تو دل کو سکوں ملے
وہ وُسعتِ نگاہ کہ فتنے دبے رہے
تازہ ہوئے تمام محبت کے سلسلے
یاد آئیں ان کو دیکھ کے تیور رسول کے

وہ مقتدائے امن جنہیں مجتبےٰ کہیں
نام آئے ان کا لب پہ تو صَلِّ علےٰ کہیں
حیدر حشم ، بتول نفس، مصطفےٰ نظر
معراج پائی جس نے پیمبر کے دوش پر
بعد از نبی ونفسِ نبی ایسا راہ بر
جس کی قبائے سبز کو چوما کریں خضر

زہراب پی کے جس نے جہاں کو جگا دیا
ذہنوں سے کربلا کا تعارف کرا دیا
شبر کے دل کے چاند کی تنویر کربلا
عباس کے خیال کی تصویر کربلا
ہے جلوہ گاہِ اسوۂ شبیر کربلا
آیاتِ کبریا کی ہے تفسیر کربلا

جو ذرّہ ہے یہاں کا وفا کی زبان ہے
قرآں کے حرف حرف کی یہ ترجمان ہے

کہہ دو خرد سے عشق کی اب گفتگو کرے
دامن سخن کا سوزنِ غم سے رفو کرے
احساس سے کہو کہ فنا ہم لہو کرے
لازم ہے چشم شوق کو خوں سے وضو کرے
غم ہو متاعِ حرف و بیاں تب تو بات ہے
پلکیں ہوں موتیوں کی دکاں تب تو بات ہے

صد مرحبا وہ جانِ نبی، روحِ علم و فن
حیدر سے آفتابِ شجاعت کی وہ کرن
وہ مظہرِ بتول، وہ آئینۂ حسن
وہ تشنگی کی آنچ میں مہکا ہوا چمن
اُس کا جو ذکر آئے تو پھر گفتگو چلے
جگنو مژہ سے چھلکیں، سخن کا سبو چلے

دینِ مبیں پہ وقت پڑا اس نے سر دیا
اسلام کی رگوں میں لہو اپنا بھر دیا
ایماں کو اس نے زندۂ جاوید کر دیا
ایسا سخی کہ حق کے لئے گھر کا گھر دیا
دھڑکن ہے جس میں عشق کی وہ دل حسین ہے
انسانیت کی آخری منزل حسین ہے

شبیر استعارۂ ذبحِ عظیم ہے
ہر قطرہ اس کے خوں کا نوائے کلیم ہے
اس کا عمل چراغِ رہِ مستقیم ہے
وہ رمز آشنائے الف لام میم ہے
شبیر کا وہ ربط ہے ذاتِ رسول سے
وابستہ جیسے پھول کی خوشبو ہو پھول سے
واللیل جس کا سایۂ گیسو ہے وہ حسین
دل بندِ مصطفٰے کا جو دل جو ہے وہ حسین
جو گلشنِ رسول کی خوشبو ہے وہ حسین
عباس جس کا قوتِ بازو ہے وہ حسین
عباس وہ کہ فاتحِ خیبر کو ناز ہے
زینب کو اعتماد ہے سرور کو ناز ہے
عباس وہ چراغ ہے بزمِ حسین کا
جو آندھیوں کے رخ کو بدلتا چلا گیا
عباس وہ علی کی شجاعت کا آئینہ
ام البنین سے جسے درسِ وفا ملا
اس کی وفا ہے شاہِ مدینہ کے واسطے
سقہ بنا ہے پیاسی سکینہ کے واسطے

طفلی کے دَور ہی سے یہ جنگیں لڑے ہوئے
سائے میں تین اماموں کے پل کر بڑے ہوئے
کس شان سے ہیں کرب و بلا میں کھڑے ہوئے
کڑکی کمانِ ظلم تو تیور کڑے ہوئے
یہ کعبۂ وفا میں یقیں کی اذان ہیں
آگے بڑھیں تو موج رکیں تو چٹان ہیں

جرّار، صف شکن، شہہِ مرداں کی یادگار
جرأت پناہ، عشق نفس، آسماں وقار
ضیغم، نڈر، دلیر، جری، اشقیا شکار
پرچم بدست۔ تیغ بکف، مشک در کنار
ہے ثبت ان کا نام بیاضِ حیات پر
روشن ہے یہ چراغ ابھی تک فرات پر

باطل ستیز، بازوئے سرور، وفا سیر
جرأت میں نام دار، شجاعت میں نام ور
آئے جو ان کا نام تو کانپ اٹھیں بحر و بر
لیکن اصولِ حفظِ مراتب سے باخبر
آلِ نبی کو خود سے سوا جانتے ہیں یہ
رتبہ امامِ عصر کا پہچانتے ہیں یہ

عباس مرتضیٰ کی بصیرت کا نام ہے
عباس مجتبیٰ کی متانت کا نام ہے
عباس تو حسین کی اُلفت کا نام ہے
عباس دینِ حق کی اک آیت کا نام ہے
شیرِ خدا کا شیر شریعت کی ڈھال ہے
اور ایسا کیوں نہ ہو ابوطالب کا لال ہے

وہ، لُو کے تند جھونکے وہ چہرے اُداس سے
جھلسے ہوئے وہ پھُول کئی دن کی پیاس سے
دیکھا چچا کی سمت سکینہ نے یاس سے
کی عرض شیر نے شہہِ گردوں اساس سے
بی بی کو تشنگی میں ذرا آسرا ملے
آقا فرات دُور نہیں ہے رضا ملے

سُن کر سخن یہ بھائی کے شبیر نے کہا
مانا تمہیں الم ہے سکینہ کی پیاس کا
لیکن بتاؤ جانِ برادر ہمیں ذرا
بازو کو بھی کسی نے جُدا جسم سے کیا
بہتر یہ ہے کہ جائیں ہمیں تم یہاں رہو
اہلِ حرم کے خیموں کے تم پاسباں رہو

آئی ہے شام کو وہ گھڑی بے ردائی کی
زینب کو یاد آئے گی رہ رہ کے بھائی کی
اے کاش سر پہ آتی نہ ساعت جدائی کی
لے جا رہی ہے شیر کو مٹی ترائی کی

قاسم کا غم ہی کم نہ تھا اب تم بھی جاؤ گے
بھائی کا بھی خیال نہ کچھ دل میں لاؤ گے

یہ کہہ کے شہ نے جانبِ عباس کی نظر
دیکھا سوئے دلیر تو حالت ہوئی دگر
دل بے قرار ہوگیا پائی جو آنکھ تر
فرمایا شہ نے بازوئے عباس تھام کر

نم دیدہ اِس طرح تو اے جانِ وفا نہ ہو
ہم تو یہ چاہتے تھے کہ ہم سے جدا نہ ہو

عباس وہ چلے وہ یقیں کی سحر ہوئی
وہ زیست کے اُفق پہ وفا جلوہ گر ہوئی
وہ شامیوں کی فوج اُدھر منتشر ہوئی
دنیائے ظلم و جبر وہ زیر و زبر ہوئی

چمکا علم تو دبدبہ کچھ ایسا چھا گیا
غل پڑ گیا کہ شیر نیستاں میں آگیا

مشکیزہ و عَلم کو بڑھا کے وہ غیور
قرآں کی روشنی میں وہ چمکا وفا کا نور
پڑتی تھی چھوٹ حُسنِ شجاعت کی دُور دُور
مثلِ علی وہ نورِ علی کا ہوا ظہور

صولت پہ فرطِ شوق، قدم چومنے لگی
پرچم کھُلا تو تیغِ دو دم جھومنے لگی

اللہ رے جلالِ علم دارِ محترم
وہ دبدبہ وہ رعب کہ سر تھا فلک کا خم
کرنیں نثار ہوتی تھیں قدموں پہ دم بدم
چھلکا فرات لہریں بڑھیں چومنے قدم

کاندھے پہ مَشک، اِک تھی وفا کی اساس تھی
اصغر کی تشنگی تھی سکینہ کی پیاس تھی

پنجے سے پنجتن کی تجلی تھی ضوفشاں
شُقّے کے آگے گرد فلک کی تجلّیاں
کشتیٔ دینِ حق کا پھریرا تھا بادباں
اِک چھوٹ پڑ رہی تھی علم کی کہاں کہاں

ایک نور سا زمین سے تا آسمان تھا
دستِ علی میں آج نبی کا نشان تھا

آئی نظر جو نہر علمدار جھوم اٹھے
مشکیزہ دیکھا چوم لی تلوار جھوم اٹھے
بازو کھُلے تو جعفرِ طیار جھوم اٹھے
وہ شان تھی کہ حیدرِ کرار جھوم اٹھے

دشمن کو اپنی موت نظر آ رہی تھی آج
تاریخ اپنے آپ کو دہرا رہی تھی آج

گرجا وہ شیر، لال میں خیبر شکن کا ہوں
پہچان لو کہ پھول علی کے چمن کا ہوں
یہ کیا کہوں کہ بھائی حسین و حسن کا ہوں
ادنیٰ سا جاں نثار امامِ زمن کا ہوں

آقا کہیں تو وقت کے طوفان کو روک دوں
تم لوگ کیا ہو گردشِ دوراں کو روک دوں

چاہیں اگر امام تو بادل جھکائیں سر
تسنیم پائے اذن تو حاضر ہو وہ اِدھر
کوثر چھلک پڑے شہِ والا کے حکم پہ
زمزم ہو بیقرار جو پیاسوں کی ہو خبر

دونوں جہان امام کے دستِ دعا میں ہیں
لیکن امام منزلِ صبر و رضا میں ہیں

جن کے غلام دن کو بدل ڈالیں رات میں
اولاد اُن کی تشنہ رہے کائنات میں
ممکن نہیں یہ بات ہماری حیات میں
زنجیر کس نے ڈال دی پائے فرات میں

یہ کہہ کے سوئے نہر جو ضیغم رواں ہوا
دشمن کو اپنی موت کا کیا کیا گماں ہوا
مرکب بڑھا تو گردشِ دوراں سمٹ گئی
بادِ سموم خوف سے اک سمت ہٹ گئی
بدلی سے برق، برق سے رفتار کٹ گئی
گھوڑوں نے جو بساط بچھائی الٹ گئی

یارب ہو خیر، نکلا یہ سب کی زبان سے
چھوٹا ہے آج تیرِ مشیت کمان سے

پھر جلوہ تیغ نے کیا دشتِ نمود میں
عالم عجیب تھا کرب و بلا کے حدود میں
غم بستہ تھی حیات اجل کی قیود میں
دریائے خوں رواں تھا سرابِ وجود میں
قد کش چٹانیں جسموں کی گھٹتی چلی گئیں
شاخیں نہالِ جبر کی کٹتی چلی گئیں

ہمراہ آب دار کے سیلِ اَجل گیا
قہرِ خدا میں تیغ کا ہر وار ڈھل گیا
جس کو تھا سر عزیز وہ میداں سے ٹل گیا
بھاگا کوئی سوار تو پیادہ کچل گیا
عباس سوئے نہر بصد کرّ و فر گئے
تیروں کے منہ کمانوں کے چلّے اتر گئے

دریا ہے خوش نجات کے ساماں ہیں آج تو
دُرِّ نجف نصیب سے مہماں ہیں آج تو
پانی میں کچھ دیے سے فروزاں ہیں آج تو
قربِ وفا سے لہریں غزل خواں ہیں آج تو
نغموں میں ڈھلتا جاتا ہے شورِ آبشار کا
ساحل کے لب پہ شکر ہے پروردگار کا

موجوں کو دُھن کہ زیرِ قدم جھومے جائیے
دریا کا تہہ کو حکم کہ موتی لُٹائیے
آبِ خنک کے جام پئے نذر لائیے
پانی کو آرزو تھی کہ لب چوم آئیے
آقا نے منہ نہ دیکھا مگر اپنی پیاس کا
اللہ رے حوصلہ نگہِ حق شناس کا

دریا سے تشنہ لب جو سوار و فرس چلے
جرأت تھی ساتھ عزم و وفا پیش و پس چلے
چاروں طرف سے گھیرنے اہلِ ہوس چلے
مرکب ہُوا، ہُوا کہ عدو کا نہ بس چلے
چھپ چھپ کے وار ہونے لگے پھر دلیر پر
چاروں طرف سے تیر چلے ایک شیر پر

نیزے اِدھر تھے گرز اُدھر تیغیں چارسو
پہلو سے وار کرتے تھے غازی پہ حیلہ جو
بازو کٹے تو بڑھ گئی جرأت کی آبرو
اِک تیر مشک پر جو لگا دل ہوا لہو
چہرہ نظر میں پیاسی سکینہ کا پھر گیا
اک آہ بھر کے شیر ترائی میں گر گیا

بازو بریدہ جسم مگر دبدبہ وہی
مشکِ سکینہ دانتوں میں اب تک دبی ہوئی
لَو دے رہی تھی زخموں سے جرأت کی روشنی
آیت وفا کی خون میں ڈوبی ہوئی ملی
کیا وقت آگیا تھا محمدؐ کے دین پر
طوبیٰ کی شاخ کٹ کے گری تھی زمین پر

ابھری پھر اک صدا مرے مولا اب آئیے
آقا جمالِ مصحفِ انور دکھائیے
دل کا ہے یہ تقاضا کہ لیلیٰ سنائیے
وقتِ اخیر پیاس نظر کی بجھائیے

پہنچے اُدھر امام تو عالم ہی اور تھا
مشکل ہوا تھا ضبط کہ یہ غم ہی اور تھا

تنہا علم لئے ہوئے پلٹے جو شاہِ دیں
سب کو یقین ہو گیا عباس اب نہیں
واحسرتا کی سب کے لبوں پر صدائیں تھیں
بھیا شہید ہو گئے زینب پکار اٹھیں

بھائی سے آج بھائی ہمیشہ کو چھٹ گیا
حیدر کا لال وادیٔ غربت میں لٹ گیا

کیوں بن میں جا کے بس گئے بھیّا بتائیے
ماتم کناں ہیں طفل و جواں لوٹ آئیے
زینب صدائیں دیتا ہے قربان جائیے
بیتاب ہے سکینہ گلے سے لگائیے

عبّاس کیا ہوا ہے جو لب کھولتے نہیں
آواز دے رہی ہے بہن بولتے نہیں

بے حال تشنگی سے ہے اصغر سا بے زباں
ہوتی نہیں ہیں بند سکینہ کی ہچکیاں
بچے تڑپ رہے ہیں برادر ہو تم کہاں
بے تاب و بے قرار ہیں خیموں میں بیبیاں
بیوی کی پیاس، بچوں کا عالم تو دیکھ لو
سہمی ہوئی نگاہوں کا ماتم تو دیکھ لو
تم کو نہ پا کے ڈھائیں گے کیا کیا ستم عدو
تڑپے گا خاک و خون میں اکبر سا خوبرو
ناوک سے چھیدا جائے گا بے شیر کا گلو
بیمار کو کریں گے رسن بستہ تندخو
چادر بہن کے سر سے چھنے گی تمہارے بعد
خیموں میں بھیا آگ لگے گی تمہارے بعد
بابا کے پاس جانے کی جلدی تھی اتنی کیا
کس کو بتاؤں رنگ سکینہ کی پیاس کا
بھیا نہیں ہے تشنہ لبی کا اسے گلہ
بس اتنا پوچھتی ہے کدھر ہیں مرے چچا
اب تم بتاؤ بالی سکینہ سے کیا کہوں
عباس بنتِ شاہِ مدینہ سے کیا کہوں

اے چرخ شیرِ فاتح خیبر کو کیا ہوا
اے نہر جانِ ساقیٔ کوثر کو کیا ہوا
مقتل بتا کہ میرے برادر کو کیا ہوا
اس جاں نثارِ سبطِ پیمبر کو کیا ہوا
وہ دوستدارِ پارۂ قرآں کدھر گیا
اے کربلا وفاؤں کا عنواں کدھر گیا

ازل میں تخلیق کے قلم نے ابد کی وسعت پہ لکھ دیا ہے
حرم کی تجسیم ہے مدینہ مدینے کی روح کربلا ہے